

تاریخ

جنوری/۲۰۲۶
شعبان/۱۴۴۷ھ

وَقُلْ جَاءَ الْاِحْمَارُ وَزَهْقُ الْاِبَاطِلِ اِنَّ الْاِبَاطِلَ كَانُوا زَهُوًّا

شماره ۳۳
نمبر

الاجماع

مجلہ

فہرست مضامین

* الروض الشہود فی تقدیم الرکتین عند السجود۔

[والرد علی الألبانی والحوینی ومقبل الوداعی بالبرہان المسدود]

[سجدے میں جاتے وقت، پہلے ”گھٹنا“ اور پھر ہاتھ رکھنا سنت ہے]، [قط ”۲“]

* ائمہ محدثین و ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک، امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) کا ”حافظہ“، جید اور مضبوط

تھا۔ [قط ۲]

Al Ijma
FOUNDATION

ناشر

الاجماع فاؤنڈیشن، الہند

فہرست مضامین

- الروض الشہود فی تقدیم الرکتین عند السجود۔
[سجدے میں جاتے وقت، پہلے ”گھٹنا“ اور پھر ”ہاتھ“ رکھنا سنت ہے]، [قسط ۲] ۱
- ائمہ محدثین و ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک، امام ابو حنیفہؒ کا ”حافظہ“ جید اور مضبوط تھا۔ [قسط ۲] ۳۳

نوٹ:

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔ اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامنِ غفویں میں چھپانے کے بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عناد و دشمنی نہیں ہے، حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ ایک پراگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں، تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ خفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں، تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں اور تم سے زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔
- محدث ابوالماثر، حبیب الرحمن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ)

بادل ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر، اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے، ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحیتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الامام فاؤنڈیشن

الروض الشهود في تقديم الركبتين عند السجود

[والردّ على الألباني والحويني ومقبل الوداعى بالبرهان المسدود]

[سجدے میں جاتے وقت،
پہلے ”گھٹنا“ اور پھر ہاتھ رکھنا سنت ہے]،
[قسط ”۲“]

از

مفتی عاصف بن اسماعیل المدنی، مولانا محمد نذیر الدین قاسمی،
ڈاکٹر ابو محمد، شہاب علوی، مولانا فیصل کریم صاحب،

حامدا و مصلیاء اما بعد!

حدیث شریک پر، سلفی علماء کے اعتراضات کے جوابات۔

شیخ الالبانی (م ۱۴۲۰ھ) کا اعتراض:

شیخ الالبانی (م ۱۴۲۰ھ)، نے اس مسئلہ پر اپنی کئی کتابوں میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، اور حضرت وائلؓ کی اس حدیث کو منکر السند و الممتن کہا، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

”وہذا سند ضعیف، وقد اختلفوا فيه، فقال الترمذي عقبه: "هذا حديث حسن غريب، لا نعرف أحدا رواه مثل هذا عن شريك". وقال الحاكم: "احتج مسلم بشريك"! ووافقه الذهبي! وليس كما قال، على ما يأتي بيانه، وقال ابن القيم في "الزاد" (79/1) وقد ذكر الحديث: "هو الصحيح"، وخالفهم الدارقطني فقال عقبه: "تفرد به يزيد عن شريك، ولم يحدث به عاصم بن كليب غير شريك، وشريك ليس بالقوي فيما يتفرد به".

وخالفهم أيضا البخاري ثم البيهقي فقال هذا في "سننه" (99/2): "هذا حديث يعد في أفراد شريك القاضي، وإنما تابعه همام من هذا الوجه مر سلا، هكذا ذكره البخاري وغيره من الحفاظ المتقدمين رحمهم الله تعالى".

وهذا هو الحق الذي لا يشك فيه كل من أنصف، وأعطى البحث حقه من التحقيق العلمي، أن هذا الإسناد ضعيف، وله علتان: الأولى: تفرد شريك به. والأخرى: المخالفة. وقد سمعت أنفا الدارقطني يقول في شريك: إنه ليس بالقوي فيما يتفرد به، وفي "التقريب": "صدوق، يخطئ كثير، تغير حفظه منذ ولي القضاء بالكوفة". قلت: فمثله لا يحتج به إذا تفرد فكيف إذا خالف كما يأتي بيانه،

وقول الحاكم والذهبي: "احتج به مسلم" من أوها مهما، فإنما أخرج له مسلم في المتابعات كما صرح بذلك المنذري في خاتمة "الترغيب والترهيب" -

وكثيرا ما يقع الحاكم في مثل هذا الوهم ويتبعه عليه الذهبي على خلاف ما يظن به، فيصحح أحاديث شريك على شرط مسلم، وهي لا تستحق التحسين فضلا عن التصحيح، فكيف على شرط مسلم؟! فليتنبه لهذا من أراد البصيرة في دينه، وأحاديث نبيه صلى الله عليه وسلم - وأما المخالفة التي سبقت الإشارة إليها فهي من جهتين: المتن والسند -

فأما المتن، فقد روى الحديث جماعة من الثقات عن عاصم بن كليب به، فذكروا صفة صلاته صلى الله عليه وسلم بما ذكره شريك عن عاصم، ومع ذلك فلم يذكروا كيفية السجود والنهوض عنه إطلاقا كما أخرجه أبو داود والنسائي وأحمد وغيرهم عن زائدة وابن عيينة وشجاع بن الوليد كلهم عن عاصم به. فدل ذلك على أن ذكر الكيفية في حديث عاصم منكر لتفرد شريك به دون الثقات. وأما المخالفة في السند، فهو أنهما ما قال: حدثنا شقيق أبو الليث قال: حدثني عاصم بن كليب عن أبيه. "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد وقعت ركبته إلى الأرض قبل أن تقع كفاه". أخرجه أبو داود والبيهقي وقال: "قال عفان: وهذا الحديث غريب -

قلت: فقد خالف شريكا شقيق فأرسله، ولكن شقيقا هذا ليس خيرا من شريك، فإنه مجهول لا يعرف، كما قال الذهبي وغيره. ولهما ما فيه إسناد آخر، ولكنه معلول أيضا، فقال: حدثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل بن حجر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم: "كان إذا دخل في الصلاة رفع يديه... فلما أراد أن يسجد وقعت ركبته على الأرض قبل أن تقع كفاه... فإذا نهض، نهض على ركبته، واعتمد على فخذه". أخرجه أبو داود والبيهقي وعلته الانقطاع، فقال النووي في "المجموع شرح المذهب": "حديث ضعيف لأن عبد الجبار بن وائل اتفق الحفاظ على أنه لم يسمع من أبيه شيئا، ولم يدركه" -

یہ سند ضعیف ہے، اور اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بعد کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم نہیں جانتے کہ شریک سے اس طرح یہ حدیث کسی اور نے روایت کی ہو، اور امام حاکمؒ نے کہا: ”امام مسلمؒ نے شریک سے احتجاج کیا ہے! اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، جیسا کہ آگے اس کی وضاحت آئے گی اور ابن القیمؒ نے اپنی کتاب زاد المعاد، میں اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

لیکن امام دارقطنیؒ نے ان سب کی مخالفت کی اور کہا: اس حدیث میں یزید شریک سے منفرد ہے، اور عاصم بن کلیب سے شریک کے علاوہ کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی، اور شریک ان روایتوں میں قوی نہیں ہے جن میں وہ منفرد ہو، اسی طرح امام بخاریؒ نے، پھر امام بیہقیؒ نے بھی مخالفت کی، امام بیہقیؒ نے سنن میں فرمایا: یہ حدیث شریک القاضی کی منفرد روایات میں شمار ہوتی ہے، اور اسی طریق سے ہمام نے اس کی متابعت کی ہے، لیکن وہ مرسل ہے، اسی طرح امام بخاریؒ اور دیگر متقدمین حفاظ حدیث رحمہم اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔

اور یہی بات حق ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہر وہ شخص جو انصاف سے کام لے اور تحقیق علمی کا حق ادا کرے، وہ یہی سمجھے گا کہ یہ سند ضعیف ہے، اور اس میں دو علتیں ہیں: شریک کا اس حدیث میں منفرد ہونا مخالفت کا پایا جانا اور ابھی آپ نے امام دارقطنیؒ کا قول سنا کہ شریک اپنی منفرد روایتوں میں قوی نہیں ہے اور تقریب التہذیب میں شریک کے بارے میں کہا گیا ہے: ”صدوق ہے، مگر بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، اور کوفہ میں قاضی بننے کے بعد اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔

میں [الالبانی] کہتا ہوں: ایسا راوی جب منفرد ہو تو اس کی روایت قابلِ حجت نہیں، تو پھر جب وہ مخالفت بھی کرے تو بدرجہ اولیٰ قابلِ احتجاج نہیں رہتا، جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی، اور حاکمؒ اور ذہبیؒ کا یہ کہنا کہ ”امام مسلمؒ نے شریک سے احتجاج کیا ہے“، یہ دونوں کا وہم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے شریک سے صرف متابعت میں روایت لی ہے، جیسا کہ منذریؒ نے خاتمہ الترغیب والترہیب میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور حاکمؒ سے اس طرح کے اوہام بار بار واقع ہوتے ہیں، اور

افسوس کہ امام ذہبیؒ بھی بعض اوقات ان کی پیروی کر لیتے ہیں، حالانکہ ان سے یہ توقع نہیں کی جاتی، چنانچہ وہ شریک کی حدیثوں کو شرط مسلم پر صحیح قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ وہ نہ تو تصحیح کے لائق ہیں، نہ تحسین کے، تو شرط مسلم پر کیسے ہو سکتی ہیں؟! پس جو شخص اپنے دین اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بصیرت چاہتا ہو، اسے اس نکتے کی طرف ضرور متنبہ ہونا چاہیے۔

رہی وہ مخالفت جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا تھا، تو وہ دو اعتبار سے ہے:

(۱) متن میں مخالفت۔

(۲) سند میں مخالفت، متن کی مخالفت یہ ہے کہ عاصم بن کلیب سے اس حدیث کو متعدد ”ثقفہ راویوں“ نے روایت کیا ہے، اور انہوں نے نبی ﷺ کی نماز کی صفت شریک کی روایت سے کہیں زیادہ مکمل بیان کی ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے سجدہ کرنے اور سجدے سے اٹھنے کی کیفیت کا سرے سے ذکر نہیں کیا، جیسا کہ یہ حدیث ابوداؤد، نسائی اور احمد وغیرہ نے زائدہ، ابن عیینہ اور شجاع بن الولید کے طریق سے عاصم سے روایت کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عاصم کی حدیث میں سجدے کی کیفیت کا ذکر منکر ہے، کیونکہ اس میں شریک نے ثقفہ راویوں کے خلاف انفراد کیا ہے۔ اور سند کی مخالفت یہ ہے کہ ہمام نے کہا: ہم سے شقیق ابواللیث نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے عاصم بن کلیب نے اپنے والد سے روایت کی: ”نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو آپ کے گھٹنے زمین پر ہاتھوں سے پہلے لگتے تھے، اسے ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا، اور بیہقی نے کہا: عفان نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ میں کہتا ہوں: شقیق نے شریک کی مخالفت کرتے ہوئے اسے مرسل روایت کیا ہے، لیکن شقیق، شریک سے بہتر نہیں، کیونکہ وہ مجہول ہے، اسے پہچانا نہیں جاتا، جیسا کہ امام ذہبیؒ اور دیگر نے کہا ہے۔

اور ہمام کی ایک اور سند بھی ہے، لیکن وہ بھی معلول ہے، وہ کہتے ہیں: ہم سے محمد بن مجاہد نے روایت کی، انہوں نے عبد الجبار بن وائل بن حجر سے، انہوں نے اپنے والد سے، نبی ﷺ سے کہ: ”آپ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے..... اور جب سجدہ کرنے لگتے تو آپ کے گھٹنے زمین پر ہاتھوں سے پہلے لگتے..... اور جب اٹھتے تو گھٹنوں کے بل اٹھتے اور رانوں پر سہارا لیتے تھے۔“ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور اس کی علت

انقطاع ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے المجموع شرح المہذب میں فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ عبد الجبار بن وائل کے بارے میں تمام حفاظ کا اتفاق ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا، اور نہ ہی انہیں پایا تھا۔ (سلسلہ الاحادیث الضعیفہ: ج ۲: ص ۳۲۹-۳۳۰، حدیث نمبر ۹۲۹)،

الجواب:

ترتیب وار جوابات ملاحظہ فرمائیں:

اولا امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) وغیرہ ائمہ کا یہ کہنا کہ شریک اس روایت میں منفرد ہے، مضرب نہیں ہے، کیونکہ ثقہ کا تفرّد موجب ضعف نہیں ہوتا اور تفصیل گزر چکی کہ یہاں اس روایت میں شریک بن عبد اللہ الخنسیؒ (م ۹۷ھ) ثقہ ہیں، (دیکھئے مجلہ الامام: ج ۲: ص ۳۳۰)، لہذا ائمہ کا شریک کے تفرّد کی طرف اشارہ یا اس کو ذکر کرنا، روایت کو ضعیف نہیں کرتا۔

دوم حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو ”متصل“، نقل کرنے میں شریکؒ (م ۹۷ھ)، منفرد بھی نہیں ہے بلکہ ان کے متابع میں ثقہ، ثبت، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) موجود ہیں، جس کی تفصیل، اگلے شمارے میں آئے گی۔ لہذا شریک رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷ھ)، پر تفرّد کا الزام بھی غیر صحیح اور مرجوح ہے۔

سوم جہاں تک بات ہے شریک کی روایت سے، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کے احتجاج کی، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ”۲“ جگہ، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے شریک رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷ھ) کی روایت سے احتجاج کیا ہے چنانچہ امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے کہا:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا شريك، عن عمارة، وابن شبرمة، عن أبي زرعة، عن أبي

هريرة، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فذكر بمثل حديث جرير، وزاد: فقال: نعم، وأبيك لتنبأ. (صحیح مسلم: ج ۴: ص ۱۹۷۴، حدیث نمبر ۲۵۴۸، ت عبد الباقي)،

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا عقبة بن خالد، ح وحدثنا عمرو الناقد، حدثنا الأسود بن عامر، حدثنا زهير، ح وحدثنا مجاهد بن موسى، حدثنا يونس بن محمد، حدثنا شريك، كلهم عن هشام، بهذا الإسناد، أن سودة لما كبرت بمعنى حديث جبر، وزاد في حديث شريك، قالت: وكانت أول امرأة تنز وجها بعدى۔ (صحیح مسلم: ج ۲: ص ۱۰۸۵، حدیث نمبر ۱۴۶۳)،

صحیح مسلم میں شریک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے ان الفاظ کا کوئی متابع نہیں ہے، اس لحاظ سے ان ائمہ کا قول رائج ہے، جن حضرات نے کہا ہے کہ امام مسلم نے شریک کی روایت سے احتجاج کیا ہے۔

لہذا شریک کی روایت مسلم کی شرط پر ہوگی اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا انکار مرجوح ہے۔

چہارم رہا شیخ کا یہ کہنا کہ ایک جماعت ثقات نے عاصم سے یہ روایت ذکر کی مگر شریک کی طرح کا مضمون ذکر نہیں کیا، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ عدم ذکر عدم شی کو مستلزم نہیں۔

لہذا جب شریک کا ثقہ، صدوق ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اس روایت میں ان کا ثقہ متابع بھی موجود ہے، جس کی تفصیل، انشاء اللہ، اگلے شمارے میں آئے گی، لہذا ان کی روایت کا انکار مرجوح و مردود ہے۔

پنجم جہاں تک بات ہے، سند کی مخالفت کی، تو عرض ہے کہ شقیق ابوليث، مستور یا مجهول الحال نہیں، بلکہ مجهول العین ہیں، ان سے سوائے ہمام بن یحییٰ العوذی کے کسی نے روایت نہیں کیا، اور ہمام نے بھی ان سے صرف یہی ایک روایت نقل کی ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے مجهول العین کا درجہ ضعیف سے بھی نیچے ذکر فرمایا ہے، ضعیف کو آٹھویں اور مجهول العین کو نویں مرتبہ میں شمار فرمایا ہے۔ دیکھئے: التقریب کا مقدمہ۔

مجهول العین کی تعریف کرتے ہوئے مشہور عرب عالم و محدث شیخ محمود طحان کہتے ہیں:

ومن ذکر اسمہ، ولكن لم يرو عنه إلا راو واحد۔

حکم روایتہ: عدم القبول، إلا إذا وثق۔

کیف یوثق: بأحد أمرین:

ا- إما أن یوثقه غیر من روی عنه۔

ب- وإما أن یوثقه من روی عنه، بشرط أن یکون من أهل الجرح والتعديل۔

مجهول العین وہ ہے جس کا نام تو مذکور ہو، لیکن اس سے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو، اس کی روایت کا حکم: قبول نہیں کی جائے گی، مگر جب اس کی توثیق کی گئی ہو۔

اس کی توثیق کیسے ہوگی: دو میں سے ایک چیز کے ذریعہ:

یا تو اس سے روایت کرنے والے کے علاوہ کوئی اور اس کی توثیق کرے۔

یا اس سے روایت کرنے والا ہی اس کی توثیق کرے بشرطیکہ وہ جرح و تعدیل کا اہل ہو۔ (تیسیر مصطلح الحدیث:

ص ۱۵۱، المطلب الثانی الخیر المردود)

نیز شقیق کے شیخ کے بارے میں بھی اختلاف ہے، بعض جگہ عاصم بن کلیب ہے، کہیں عاصم بن شنتیم، (معجم

الصحابہ لابن قانع: ج ۱: ص ۳۵۰)، بعض کتابوں میں عاصم بن شیم، (معرفۃ الصحابة لأبی نعیم: ج ۳: ص

۱۴۹۱، رقم ۷۸۹۳) ہے، جبکہ اکثر کتابوں میں عاصم بن شنتیم ہے۔

اور عاصم بن شنتیم نامی کوئی راوی پورے، ذخیرہ احادیث میں اس روایت کے علاوہ نہیں پایا جاتا، اسی لئے

حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی (م ۸۴۲ھ) نے شقیق اور عاصم دونوں کو مجهول کہا ہے۔

البتہ اس روایت کی وجہ بعض علماء نے عاصم کے والد شنتیم یا شیم کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے۔

امام مڑی (م ۴۲۲ھ) فرماتے ہیں:

وقیل: عن ہمام، عن عاصم بن شنتیم، عن أبیہ۔

ہكذا قيده الأمير أبو نصر ابن ماکولا بالشين المعجمة المفتوحة وبالنون الساكنة. وهكذا

آخرجه أبو الحسين عبد الباقي في حرف الشين من معجمه روى له أبو داود هذا الحديث الواحد، فإن

صحت روایۃ ابن قانع فی شبہ ان یكون الحدیث متصلاً، وإن كانت روایۃ أبی داود ہی الصحیحۃ
فالحدیث مرسل، واللہ أعلم۔

اور کہا گیا کہ ہمام، شقیق ابولیت سے اور وہ عاصم بن شنتم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔
امیر ابو نصر ابن ماکولانے اسی طرح شنتم لکھا ہے، اور ابو الحسن عبد الباقی نے اپنی کتاب معجم (الصحابہ) میں حرف الشین
میں ان کا تذکرہ کیا ہے، ابوداؤد نے ان سے صرف یہ ایک ہی حدیث روایت کی ہے، تو اگر (عبد الباقی) ابن قانع کی
روایت صحیح ہے، تو یہ روایت متصل جیسی ہے، اور اگر ابوداؤد کی روایت ہی صحیح ہے، تو یہ حدیث مرسل ہے۔ واللہ أعلم
مشہور سلفی عالم و محقق کتب حدیث شیخ بشار عواد حفظہ اللہ، تہذیب الکمال کے حاشیہ میں کہتے ہیں:

قال ابن حجر: و شنتم ذکرہ أبو القاسم البغوی فی "معجم الصحابة" كما قال ابن قانع وقال لم
أسمع ل شنتم ذکر إلا فی هذا الحدیث، وقال ابن السکن: لم یثبت، ولم أسمع به إلا فی هذه الروایۃ.
انتہی۔ وقد قیل فی شہاب (بن) المجنون جد عاصم بن کلیب: إنه قیل فیہ شتیر فی حتمل أن یكون شنتم
تصحیف من شتیر ویكون عاصم فی الروایۃ هو ابن کلیب، وإنما نسب إلى جدہ واللہ أعلم. وقال أبو
الحسن بن القطان: شقیق هذا ضعیف لا یعرف بغير روایۃ ہمام (تہذیب التہذیب: 4/364). وقال ابن
حجر فی "التقریب": مجهول.

ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں: اور شنتم کو ابوالقاسم البغوی نے معجم الصحابہ میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابن قانع
نے کہا، اور (ابوالقاسم بغوی نے) کہا: میں نے اس حدیث کے علاوہ کہیں شنتم کا ذکر نہیں سنا، اور ابن السکن نے کہا:
ثابت نہیں، اور میں نے اس روایت کے علاوہ ان کے بارے میں نہیں سنا، اور عاصم بن کلیب کے دادا شہاب بن
المجنون کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شتیر ہیں، تو اس کا احتمال ہے کہ شنتم یہ شتیر سے بدل گیا ہو، اور اس روایت میں
عاصم سے مراد عاصم بن کلیب ہوں، اور ان کی نسبت دادا کی طرف کی گئی ہو، واللہ أعلم۔ ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں:
یہ شقیق ضعیف ہیں، ہمام کے علاوہ کسی روایت میں ان کا پتہ نہیں، اور ابن حجر تقریب میں ان کو مجهول کہتے ہیں۔ (شیخ
بشار عواد کی بات مکمل ہوئی)

آپ کو تعجب ہوگا کہ شیخ البانی نے اپنی کئی کتابوں میں اس حدیث پر خوب بحث کی ہے، مگر نہ کہیں شتم کے بارے میں تذکرہ کیا نہ شمیم کے، بلکہ اسے عاصم بن کلیب ہی مان کر چلے اور باقی ان سب کتابوں میں جو عاصم بن شتم یا شتمیم یا شمیم کا تذکرہ ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے، خاموشی سے نکل گئے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟؟

تفصیل کیلئے دیکھئے: (تہذیب الکمال: ج ۱۲: ص ۵۵۸، رقم الترجمہ ۲۷۷۱، اکمال تہذیب الکمال:

ج ۶: ص ۲۹۳، رقم الترجمہ ۲۴۱۶، الجرح والتعديل: ج ۴: ص ۷۳، رقم ۱۶۲۲، توضیح مشتبہ: ج ۵: ص ۳۰۵، الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر: ج ۳: ص ۲۹۲، رقم الترجمہ: ۳۹۴۴، معجم الصحابہ للبغوی: ج ۳: ص ۱۹، رقم الحدیث ۱۲۵۸-۱۲۵۹، تہذیب التہذیب: ج ۴: ص ۳۶۴، رقم الترجمہ ۶۲۳، لسان المیزان، ت ابو نعۃ: ج ۹: ص ۳۲۳، رقم الترجمہ ۱۱۴۴، نبل النبأ: ج ۲: ص ۱۹۰، رقم ۱۶۵۳)

معلوم ہوا: شقیق ابوليث مجهول العين ہیں، اور اگر ان کے شیخ عاصم بن شتم ہیں تو وہ بھی مجهول العين ہیں۔
تعجب ہوتا ہے: دو مجهول العين راویوں (شقیق وعاصم) کی وجہ سے، شیخ البانی کا ثقہ راوی (شریک القاضی) کی سند کو منکر کہنا کونسا اصول ہے؟؟

اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ شقیق ابوليث کی سند کے بارے میں علماء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اگر یہ شتم کی روایت صحیح ہے، تو یہ روایت متصل ہو سکتی ہے، ورنہ مرسل ہے، مگر شیخ البانی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔
بڑی عجیب تحقیق ہے کہ عبد الجبار بن وائل (ثقة) جلیل القدر تابعی کی مرفوع ظاہر منقطع روایت، شریک کی مرفوع متصل روایت کی متابع نہیں بنے گی، البتہ شقیق (مجهول العين) راوی کی ضعیف مرسل روایت کی وجہ سے شریک نخعی کی مرفوع متصل روایت منکر ہو جائے گی؟؟؟

اور شقیق کی اس مرسل روایت کے بارے میں جن محدثین نے مرفوع متصل ہونے کا احتمال ذکر کیا، اس کا تذکرہ ہی گول۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام حازمی نے شقیق ابوليث کی روایت کو محفوظ کہا ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں شریک کی

روایت منکر ہی تو ہوگی۔

جواب:

امام حازمی (م ۵۸۴ھ)، نے شقیق ابوليث کی روایت کو شریک کی روایت کے مقابلہ میں محفوظ نہیں کہا بلکہ ثقہ راوی ہمام بن یحییٰ (م ۱۶۵ھ) کی دوسری مرفوع سند: ”ہمام بن یحییٰ، عن محمد بن جحاده، عن عبد الجبار بن وائل، عن أبیه، عن النبی - ﷺ“ کے مقابلہ میں ہمام عن شقیق کی مرسل سند کو محفوظ کہا ہے۔ جبکہ یزید بن ہارون عن شریک کی سند کو، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی شرط پر، حسن کہا ہے۔ آپ کی عبارت درج ذیل ہے:

هذا حديث حسن على شرط أبي داود، وأبي عيسى الترمذي، وأبي عبد الرحمن النسائي، وأخرجه في كتبهم من حديث ابن يزيد بن هارون عن شريك، ورواه همام بن يحيى، عن محمد بن جحاده، عن عبد الجبار بن وائل، عن أبیه، عن النبی - ﷺ - قال همام: حدثنا شقيق - يعني أبا الليث - عن عاصم بن كليب، عن أبیه، عن النبی - ﷺ - مرسلًا، وهو المحفوظ - (الاعتبار في النسخ والمسنوخ من الآثار: ۷۸)،

خلاصہ یہ کہ شریک کی روایت کو سند منکر کہنا، باطل و اصول حدیث کے خلاف بھی ہے۔ [۱] ششم متناً منکر کے جواب میں عرض ہے کہ شریک (م ۸۶ھ) کے ثقہ ہونے کے سلسلے میں تفصیل گزر چکی ہے،

[۱] ثقہ، حافظ ابو جعفر، محمد بن عمرو بن البختري البغدادي (م ۳۳۹ھ) نے کہا:

”حدثنا حنبل: حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا همام: حدثنا محمد بن جحاده، عن عبد الجبار بن وائل بن حجر، عن أبیه: أن النبی ﷺ كان إذا دخل في الصلاة رفع يديه وكبر، ثم التحف بثوبه ووضع اليمنى على اليسرى، فإذا أراد أن يركع قال هكذا بثوبه، فأخرج يديه، ثم رفعهما وكبر، فلما أراد أن يسجد وقعت ركبته على الأرض قبل أن تقع كفيه، فلما سجد وضع جبهته بين كفيه وجافا عن إبطيه“، فقال همام: وحدثنا شقيق: حدثنا عاصم،

لہذا ثقہ کا تفرد، منکر نہیں کہلاتا، لہذا اسے منکر کہنا مرجوح ہے۔

نیز اس روایت کو عاصم بن کلیبؒ سے ”متصل روایت“ نقل کرنے میں شریک کا تفرد، جناب شیخ البانیؒ کی یہ بنیاد ہی صحیح نہیں، کیونکہ شریکؒ (م ۸۷ھ)، اس روایت میں منفرد نہیں، ثقہ، حافظ، حجت، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) نے ان کی متابعت کی ہے، نیز عبد الجبار بن وائل کی ظاہر منقطع روایت سے اس کی متابعت ہوتی، نیز حضرت عمرؓ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو سنداً بالکل صحیح۔ (انشاء اللہ! ان سب کی تفصیل اگلے شمارے آئے گی)

لہذا شیخ البانیؒ کا شریک عن عاصم کی سند سے مروی حضرت وائل بن حجرؒ کی حدیث کو متناً، منکر کہنا بھی درست

عن أبيه، عن النبي ﷺ قال مثل هذا، قال: وفي حديث أحدهما، قال همام: وأكبر علمي أنه في حديث محمد بن جحادة: فإذا نهض نهض على ركبتيه واعتمد على فخذه۔ (مجموع في مصنفات أبي جعفر البخاري: ص ۴۴۳)،

غور فرمائیں! حافظ ہمامؒ (م ۱۶۵ھ) کے الفاظ ”وأكبر علمي أنه في حديث محمد بن جحادة۔۔۔“ کہ ”ان دونوں میں سے کسی ایک کی حدیث میں، اور میرا غالب گمان ہے کہ محمد بن جحادہ کی حدیث میں۔۔۔“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمام نے دونوں سے روایت لی ہے، اور دونوں روایتیں انہیں یاد ہیں، یعنی دونوں روایتیں محفوظ ہیں۔

شیخ البانیؒ (م ۲۰۱ھ)، اسی مسئلہ میں اپنے موافق ایک دلیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ومما يدل على أنه قد حفظ أنه روى الموقوف والمرفوع معا“۔

در اور دی کو یہ حدیث یاد ہے، اس پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے مرفوع اور موقوف دونوں ایک ساتھ روایت کی۔ (إرواء الغلیل: ج ۲: ص ۷۷)

پس معلوم ہوا، ہمام کی دونوں روایتیں (مرسل و مرفوع، ظاہر منقطع) محفوظ ہیں، ایک کو محفوظ اور دوسری کو غیر محفوظ کہنا قابل غور ہے، بس یہ سوال یہاں باقی رہ گیا کہ شیخ البانیؒ (م ۲۰۱ھ) کو یہ اصول موافق دلیل میں یاد آیا مخالف دلیل میں کیوں یاد نہ آیا؟ اللہ تعالیٰ شیخ کی اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرمائے۔

نیز شیخ البانیؒ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے امام حازمیؒ کی بات بغیر کسی دلیل کے کیوں مان لی، اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں جو بغیر دلیل کسی کی بات مان لینے کو تقلید کہتے ہیں، اور تقلید، ان کے نزدیک ناجائز و حرام ہے۔

یا شاید صرف فقہاء کی تقلید حرام ہے، محدثین کی نہیں؟؟؟

نہیں۔

ایک اور اعتراض:

اس کا جواب دیتے ہوئے، سلفی عالم، ابواسحاق الحویٹی (م ۱۴۲۶ھ) کہتے ہیں:

لأن الإسناد فيه شريك غير محتمل للتقوية؛ لأن إعلال العلماء بالتفرد دليل وإذا كان الإسناد منكراً فكما قال الإمام أحمد: ((المنكر أبداً منكر))، أي لا يقوى ولا يتقوى۔

اس لئے کہ اس سند میں شریک ہیں جو تقویت کے متحمل نہیں، اسلئے جب علماء نے تفرد کی علت بیان کر دی تو یہ سند کے منکر ہونے کی دلیل ہے، پس حبیب امام احمدؒ نے فرمایا: منکر ہمیشہ منکر رہتی ہے، یعنی نہ وہ قوی ہوتی ہے نہ دوسری حدیث کو تقویت پہنچاتی ہے۔ (نہی الصحبة: ج ۲: ص ۱۲)

دوسرے سلفی صاحب، جنہوں نے شیخ البانیؒ کی کتاب ارواء الغلیل پر ایک سعودی عالم کی طرف سے لکھے جانے والے استدراک کا جواب دیا ہے، لکھتے ہیں: ”أن الشيخ يعتبر رواية شريك خطأ فكيف يقوى بها غيره“، شیخ، شریک کی روایت کو خطا سمجھتے ہیں، تو اسے تقویت کیسے ہو سکتی ہے۔ (إقامة الدلیل: ص ۱۷۹)

سعودی عالم کی کتاب کا نام ہے مستدرک التعلیل علی ارواء الغلیل، اس کے جواب کا نام ہے: إقامة الدلیل علی علو رتبة إرواء الغلیل۔

جواب:

اولاً شریک کی روایت منکر کہاں ہے ثابت ہوئی، ابواللیث، شقیق مجہول وضعیف ہے، جبکہ شریک بن عبد اللہ (م ۸۷ھ) ثقہ ہیں، لہذا ثقہ کے مقابلے میں، خلاف میں، ضعیف کی روایت کو منکر کہتے ہیں نہ کہ ضعیف کے مقابلے میں ثقہ کی روایت کو۔

ثانیاً یہاں شریک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کی مخالفت نہیں کی، محض دیگر راویوں کا اس مضمون کو ذکر نہ کرنا مخالفت نہیں کہلاتا جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں، لہذا دونوں صورتوں میں شریک کی روایت کو منکر نہیں کہا جاسکتا۔

اور یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ شریک ثقہ ہیں، لہذا ثقہ کا تفرد، موجب ضعف نہیں ہوتا، اگر شریکؒ، اس روایت

میں منفرد بھی ہوتے، تو تب بھی یہاں ان کے ثقہ ہونے کی وجہ سے، یہاں ان کا تفرّد مقبول ہوتا۔
 ثالثاً یہاں شریک (م ۸۷ھ) منفرد ہی نہیں، امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) نے ان کی متابعت کی ہے، پس یہ تفرّد والی بات یہیں ختم ہو گئی۔

رابعاً شریک کے تفرّد کی وجہ سے ان کی روایت کو منکر کہنے میں سلفی محققین، جن کے سرخیل شیخ البانی ہیں خود منفرد ہیں، اسلاف میں سے کسی نے بھی اس تفرّد کی وجہ سے شریک کی روایت کو منکر نہیں کہا، صرف ضعیف کہا، لہذا یہاں سلفیوں کا یہ قول ان کے تفرّد کی وجہ سے خود منکر ہے۔

خامساً جس طرح محدثین نے اس حدیث کو شریک کی منفرد روایت شمار کیا ہے، اسی طرح انہوں نے ہی ہمام کی مرسل روایت کو شریک کی روایت کیلئے متابع قرار دیا ہے، چنانچہ امام بیہقی (م ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:
 ”وإنما تابعه همام من هذا الوجه مرسلًا، هكذا ذكره البخاري وغيره من الحفاظ المتقدمين رحمهم الله“۔

یعنی ہمام نے اسی سند سے مرسل روایت کر کے شریک کی متابعت کی ہے، امام بخاریؒ اور دیگر متقدمین حفاظ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ۲: ص ۱۴۲، رقم الحدیث ۲۶۳۰)
 ملاحظہ فرمائیں: امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)، حفاظ متقدمین اور متأخرین میں سے امام بیہقیؒ (م ۵۸۷ھ)، صراحت فرما رہے ہیں کہ ہمام کی مرسل روایت، شریک کی متابعت ہے، مگر سلفی حضرات ماننے کیلئے تیار نہیں۔
 معلوم ہوا یہ سلفی محققین، جو امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ اور حفاظ متقدمین کے مقابلہ میں کم درجہ کے ہیں، وہ ان اکابر محدثین کی مخالفت کر رہے ہیں، اور مخالفت کے ساتھ ساتھ اپنے اس مخالف قول میں منفرد بھی ہیں، ان سلفی حضرات کا کوئی متابع موجود نہیں، لہذا ان حضرات کا یہ قول خود منکر و مردود ہے۔

ایک نکتہ:

یہ بحث دیکھنے کے بعد اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ کوئی لاکھ اپنے تجرد عن التقليد اور اتباع دلیل کا دعویٰ کر لے، مگر حقیقت اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتی، واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت، نہ سند کے اعتبار سے منکر ہے اور نہ ہی متن کے اعتبار سے۔

ہفتم اخیر میں شیخ الالبانی (م ۲۰۱ھ) نے ابوداؤد کی روایت ”حدثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل بن حجر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم: "كان إذا دخل في الصلاة رفع يديه... فلما أراد أن يسجد وقعت ركبته على الأرض قبل أن تقع كفاه... فإذا نهض، نهض على ركبته، واعتمد على فخذه“، کو انقطاع کی وجہ سے، ضعیف کہا ہے، مگر قابل غور بات ہے کہ یہ سند کم از کم عبد الجبار بن وائل بن حجر (م ۲۰۱ھ) سے ثابت ہے جس کا اقرار، غیر مقلدین حضرات بھی کرتے ہیں۔

لہذا جب یہ روایت عبد الجبار بن وائل (م ۲۰۱ھ) سے ثابت ہے، تو زیر بحث روایت میں، شیخ الالبانی (م ۲۰۱ھ) کا شریک (م ۸۷ھ) پر جرح، کمزور ہی ثابت ہوتا ہے۔

باقی رہا عبد الجبار کی اس روایت میں انقطاع کا مسئلہ، تو جواب میں عرض ہے کہ یہ روایت صرف ظاہری طور پر منقطع ہے، ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت معنی متصل ہے جس کی تفصیل، اگلے شمارے میں آئے گی۔

ایک اہم بات:

شقیق ابولیت مجہول العین ہیں، جن کے واسطہ سے ہمام بن یحییٰ العوزی نے اس حدیث کو ”مرسل“ روایت کیا ہے، جبکہ ہمام کی دوسری سند محمد بن جحادة عن عبد الجبار عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم کی سند سے مرفوعاً ہے۔

محمد بن جحادة کی سند، عبد الجبار بن وائل تک صحیح مسلم کی شرط پر ہے یعنی عبد الجبار تک سند بالکل صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں ہے، البتہ عبد الجبار کا اپنے والد حضرت وائل سے سماع حدیث ثابت نہیں، لہذا اس میں انقطاع ہے، اگرچہ عبد الجبار، نماز ہی سے متعلق کئی حدیثیں اپنے بھائی علقمہ، اپنے غلام، یا اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں، اسلئے غالب یہی ہے کہ یہ روایت بھی انہوں نے انہی میں سے کسی سے نقل کی ہوگی۔

لیکن اگر بطور اصرار، یہ مان بھی لیں کہ انہوں نے یہ روایت ان میں سے کسی سے نہیں لی ہے تب بھی زیادہ

سے زیادہ اس روایت میں انقطاع پایا جا رہا، جس کی متابعت، امام شریکؒ (م ۸۷۱ھ) اور امام ابوحنیفہؒ (م ۵۰۱ھ) کی روایت سے ہو جاتی ہے۔

مگر عبد الجبارؒ تک اس صحیح سند کو چھوڑ کر شقیق ابولیث جیسے مجہول العین راوی کی روایت کو امام حازمیؒ نے کیوں محفوظ کہا ہے، اس پر دلیل دینے کے بجائے، سلفی محققین بشمول شیخ ابواسحاق الحویؒ (م ۴۶۱ھ)، امام حازمیؒ کی اس بات کو نقل کرتے ہیں اور خاموشی سے گزر جاتے ہیں، دیکھئے: (نہی الصحبة عن النزول بالركبة: ج ۲: ص ۱۰)، شاہدان کے یہاں محدثین کی تقلید واجب ہوگی؟؟

خلاصہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں موجود، عبد الجبار بن وائلؒ (م ۲۱۱ھ) کی اس قوی شاید کی وجہ سے، شیخ الالبانیؒ (م ۴۲۰ھ) کے، شریک کی روایت پر تمام اعتراضات باطل و مرجوح ہیں اور صحیح و رائج یہی ہے کہ حضرت وائل بن حجرؒ کی حدیث، بطریق شریک وغیرہ، صحیح و حجت ہیں، واللہ اعلم۔

شیخ ابواسحاق الحویؒ (م ۴۶۱ھ) کا اعتراض:

مشہور محدث، شیخ ابواسحاق الحویؒ (م ۴۶۱ھ) نے کہا:

”هذا القول من ابن حبان رحمه الله يدل على أن سماع يزيد بن هارون من شريك كان قبل أن

يتغير حفظ شريك۔

لكن روى الخطيب في "الكفاية" (ص 361): عن يزيد بن هارون، قال: قدمت الكوفة، فما رأيت بها أحداً إلا يدلّس، إلا مسعر بن كدام، و شريكاً. اهـ. فهذا يدلّ على أن يزيد بن هارون أخذ منه في الكوفة أيضاً، فالصواب التوقف في رواية يزيد عن شريك حتى يتميز ما حدث به في الكوفة مما حدث به في غيرها۔ (نخل النبال: ج ۳: ص ۵۷۹)

ابن حبانؒ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ یزید بن ہارون کا شریک سے سماع، شریک کا حافظہ بدلنے سے

پہلے کا ہے۔ لیکن خطیبؒ نے کفایہ میں یزید بن ہارون سے نقل کیا ہے کہ میں کوفہ گیا تو دیکھا کہ مسعر بن کدام اور شریک کے علاوہ ہر ایک تدلیس کرتا ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ یزیدؒ نے شریکؒ سے کوفہ میں بھی روایت لی ہے۔
لہذا صحیح یہ ہے کہ یزید بن ہارونؒ کی شریک سے روایت کردہ حدیثوں میں توقف کیا جائے، یہاں تک کہ کوئی حدیث انہوں نے کوفہ میں بیان کی اور کوئی دوسری جگہ پر اس میں تمیز ہو جائے۔
الجواب:

حافظ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا:

أخبرنا محمد بن جعفر بن علان، أنا أبو الفتح محمد بن الحسين الحافظ، ثنا الحسن بن علي، ثنا محمد بن يحيى الأزدي، قال: سمعت يزيد بن هارون، يقول: قدمت الكوفة فمارأيت بها أحدا إلا وهو يدلس إلا مسعر بن کدام وشریکا۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۳۶۱)
غور فرمائیں! اس سند میں ابوالفتح ازدیؒ (م ۴۷۳ھ) ضعیف ہے، (لسان المیزان: ج ۷: ص ۹۰)، جس کا اقرار، شیخ البانیؒ (م ۴۲۰ھ) نے بھی کیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ج ۴: ص ۱۰۱، حدیث نمبر ۱۵۹۷)،
لہذا کفایہ کی جس روایت پر بنیاد رکھی گئی ہے وہ روایت ہی ضعیف ہے۔

نیز اس روایت کا متن بھی منکر اور ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید بن ہارون الواسطیؒ کے مسعر اور شریک کے، باقی تمام کوئی شیوخ مثلاً: وکیع بن الجراح الکوفیؒ (م ۱۹۷ھ)، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق الکوفیؒ (م ۱۶۰ھ)، امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت الکوفیؒ (م ۱۵۰ھ)، عبد الرحمن بن عبد اللہ المسعودی الکوفیؒ (م ۱۶۰ھ)، اشعث بن سوار الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) وغیرہ حضرات مدلس ہیں، جب کہ ائمہؒ میں سے کسی نے بھی، ان حضرات کو مدلس نہیں قرار دیا ہے، جس سے اس روایت کے متن کا منکر اور ضعیف ہونا ظاہر ہے۔

الغرض شیخ الحویثیؒ کا یزید بن ہارون عن شریک کی روایت میں توقف کرنا، دلائل کے اعتبار سے قابل غور، بلکہ مرجوح ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ:

یزید بن ہارون نے امام شریک سے سماع قدیم، تولیت قضاء سے پہلے اور ان کی کتاب سے ہے، لہذا یزید عن شریک کی سند سے آئی ہوئی حضرت وائل بن حجرؒ کی مذکورہ بالا روایت صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں ہے۔

شیخ مقبل بن ہادی الوداعی (م ۱۴۲۹ھ) وغیرہ کا اعتراض:

فتح الودود فی کیفیۃ الہوی الی السجود کے مصنف، شیخ ابو عبیدہ، عبدالرحمن الزاوی حفظہ اللہ نے کہا: الثانی: ان الائمة قد أنکروا علی شریک کثیرا من الاحادیث، ہی من رواۃ الذین روو اعنه قبل تولیہ القضاء، أو من سمع من کتابہ کیزید بن ہارون کما نصہ علی جملۃ من ذلك ابن عدي في کتابہ الكامل في الضعفاء۔

ومن الاحادیث التي أنکرها الائمة هذا الحديث الذي نحن بصددہ، فقد انکرہ النسائي و الترمذي و البيهقي و الدارقطني علی شریک مع ان الراوي عنه یزید بن ہارون ممن نص علی سماعہ منہ قبل الاختلاط، و كذلك ممن سمع منہ من کتابہ، فهذا يدل علی عدم التفريق في حال شریک من حيث التصحيح و التضعیف، و هذا القول في شریک هو ما رجحہ ابن رجب في شرح العلل بان الا و هام ملازمہ لہ، قال رحمہ اللہ تعالیٰ:

شریک هو ابن عبد اللہ النخعي القاضي و کان کثیر الوہم و لا سیما بعد ان ولی القضاء و کان فیہ ایضا فی تلك الحال تیہ و کبر و احتقار للائمة الصالحین، و قد خرج مسلم حدیثہ مقرونا بغیرہ، انتہی بلفظہ۔ قلت: و هو ترجیح شیخنا مقبل حفظہ اللہ تعالیٰ۔

دوسری بات: یہ کہ ائمہ نے شریک کی بہت سی احادیث پر نکیر کی ہے، اور یہ وہ احادیث ہیں جو ان لوگوں کی روایت سے ہیں جنہوں نے اس سے قاضی بننے سے پہلے روایت کی، یا جنہوں نے ان کی کتاب سے سنا جیسے یزید بن ہارون، جیسا کہ ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل فی الضعفاء میں ان احادیث میں سے کئی پر تصریح کی ہے۔

اور ان ہی منکر احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جس کے بارے میں یہاں بات ہو رہی ہے۔ اس پر بھی ائمہ (حدیث) نے شریک کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، مثلاً: نسائی، ترمذی، بیہقی اور دارقطنی نے، حالانکہ اس حدیث کو شریک سے روایت کرنے والا یزید بن ہارون ہے، اور یہ ان میں سے ہے جنہوں نے شریک سے اس کے اختلاط (خلط و ضعف) سے پہلے سنا، نیز وہ ان میں سے ہے جنہوں نے شریک کی کتاب سے سماع کیا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریک کے معاملے میں تصحیح و تضعیف کے لحاظ سے (صرف) سماع کے وقت کو بنیاد بنا کر فرق نہیں کیا گیا۔

اور شریک کے بارے میں یہی قول امام ابن رجب نے اپنی کتاب شرح علل میں رائج قرار دیا ہے کہ اوہام (وہم و غلطی) اس کے ساتھ لازم تھے، انہوں نے فرمایا: شریک بن عبداللہ نخعی قاضی ہے، اور یہ بہت وہم کا شکار تھا، خاص طور پر جب اس نے قضاء کا منصب سنبھالا اور اس حال میں اس میں غرور، تکبر اور نیک ائمہ کی تحقیر بھی پائی جاتی تھی، مسلم نے اس کی حدیث کو دوسرے راویوں کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہی رائے کو ہمارے شیخ مقبلؒ (بن ہادی الوادعی) نے بھی ترجیح دی ہے۔ (فتح الودود فی کیفیۃ الہوی الی السجود: ص ۱۲-۱۵)،

الجواب:

الحاوی

فی تحقیق أحادیث شریک بروایات المتقدمین

التي أنكرها الشيخ عبد الرحمن الزاوي۔

جواب سے پہلے، عرض یہ ہے کہ جان لینا چاہیے کہ وہ حضرات جنہوں نے شریکؒ سے، ان کے قاضی بننے

سے پہلے سماع کیا، مثلاً اسحاق الازرق، یزید بن ہارون، عباد بن العوام، وکیع، اسود بن عامر، ابو نعیم وغیرہ، ان کی، شریک سے روایت صحیح اور اختلاط سے پاک ہے۔ (مجلہ الامام: ش ۳۳: ص)،
لہذا الکامل لابن عدی، میں شریک سے مروی، صرف انہی شاگردوں کی روایت پر در اسہ کیا جائے گا۔

نوٹ:

در اسہ سے قبل، حافظ ابن عدی (م ۳۶۵ھ) کا کلام پیش خدمت ہے، چنانچہ وہ شریک کے ترجمہ کے اخیر میں کہتے ہیں کہ

حافظ ابن عدی (م ۳۶۵ھ) نے کہا:

”ولشريك كثير من المقطوع والمسنود. وأضاف: وإنما ذكرت من حديثه وأخباره طر فامنه، وفي بعض ما لم أتكلم عليه من حديثه مما أملت بعض الإنكار، والغالب على حديثه الصحة والاستواء، والذي يقع في حديثه من النكرة إنما أتى فيه من سوء حفظه، لأنه يعتمد شيئاً مما يستحق شريك أن ينسب فيه إلى شيء من الضعف“۔

شریک کے پاس بہت سی مقطوع اور مسند احادیث موجود ہیں، اور میں نے ان کی احادیث و روایات میں سے صرف ایک حصہ ذکر کیا ہے اور جن احادیث پر میں نے کلام نہیں کیا، ان میں سے بعض میں نکارت ہیں، لیکن ان کی احادیث پر عمومی طور پر صحت اور اعتدال غالب ہے۔

اور ان کی احادیث میں جو کچھ منکر آتا ہے، تو وہ محض اس کے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ یہ کہ وہ کسی ایسی چیز کا ارادہ کرتے ہے، جس کی بنا پر انکو کسی کمزوری کی طرف منسوب کیا جائے۔ (الکامل لابن عدی بحوالہ تہذیب الکمال: ج ۱۲: ص ۴۶۸، تہذیب التہذیب: ج ۴: ص ۳۳۶)،

غور فرمائیں! حافظ ابن عدی (م ۳۶۵ھ) کے نزدیک، شریک کی اکثر احادیث صحیح اور درست ہیں، لہذا شریک کم از کم صدوق ہیں۔

اور جس روایات میں کلام ہے، اس میں انکار کا درجہ سخت نہیں، بلکہ بقول ابن عدی کے، ”بعض الإنکار“

یعنی ان کی احادیث میں ”کچھ منکر“ آتا ہے۔ اس جملے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ انکار، شدید درجہ کا نہیں ہے، جس کا اندازہ آگے آنے والے دراسہ سے معلوم ہوگا۔

روایت نمبر ”۱“:

حافظ ابن عدی (م ۶۵۷ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الصمد بن عبد الله الدمشقي، حدثنا محمد بن إبراهيم بن مسلم، حدثنا ابن الأصفهاني، حدثنا يزيد بن هارون عن شريك، عن عاصم بن عبيد الله عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه قال عطس رجل خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الصلاة فقال الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه حتى يرضى ربنا وبعد ما يرضى فلما انصرف قال من القائل الكلمة قال أنا يا رسول الله وما أردت بهن إلا خير ا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رأيت اثني عشر ملكا يتدرونها أيهم يرفعها أولا۔
حضرت عامر بن ربيعةؓ سے روایت ہے کہ نماز کے دوران نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک شخص کو چھینک آئی، تو اُس نے کہا: ”الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه حتى يرضى ربنا وبعد ما يرضى“۔

تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہو، پاکیزہ ہو، اور خوب برکت والی ہو، یہاں تک کہ ہمارا رب راضی ہو جائے، اور اُس کے راضی ہونے کے بعد بھی، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خوب صورت کلمات کس نے کہے تھے؟

اس پر اُس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کہے تھے، اور میرا ان سے صرف بھلائی کا ارادہ تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ لپک رہے تھے، تاکہ ان میں سے کون سب سے پہلے ان (مبارک) کلمات کو اوپر لے جائے۔ (الکامل لابن عدی: ج ۵: ص ۱۹)،

سند کی تحقیق:

اس سند کے تمام روایات ثقہ یا صدوق ہیں، سوائے عاصم بن عبيد الله کے اور وہ ضعیف ہے، مگر متابع میں مقبول

ہیں، اور بعض الناس نے ان کو صدوق بھی کہا ہے۔ (دیکھئے ص:)،
حکم:

اور یہی وجہ ہے کہ امام، حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ (م ۶۳۳ھ) نے اس روایت کو ”المستخرج من
الأحادیث المختارة مما لم یخرجہ البخاری ومسلم فی صحیحہما“ میں ذکر کیا ہے، یعنی حافظ صاحب
کے نزدیک، یہ حدیث صحیح یا حسن ہے، اور اس کتاب کے محقق، شیخ الدکتور عبد الملک بن عبد اللہ بن دھیش حفظہ
اللہ نے کہا: ”إسناده حسن“۔ (الاحادیث المختارة: ج ۸: ص ۱۸۹، ت دھیش)،

اسی طرح، حافظ زین الدین العراقيؒ (م ۸۰۶ھ) نے کہا: ”وإسناده جيد“۔ (المغنی عن حمل
الأسفار فی الأسفار، فی تخریج ما فی الإحياء من الأخبار: ص ۲۶۸)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)
نے بھی کہا: ”وأخرج الطبرانی وابن السني من حديث عامر بن ربيعة نحوه بسند لا بأس به“۔ (فتح الباری:
ج ۱۰: ص ۶۰۰)،

معلوم ہوا کہ ائمہ کی ایک جماعت نے شریک سے مروی، اس روایت کی تصحیح و تحسین فرمائی، لہذا اب اس کو
منکر کہنا کمزور ہوگا، کیونکہ حفاظ کے اختلاف نے اس روایت کے حکم میں تخفیف کردی، خاص طور سے، جب کہ اس
روایت کی ایک قوی شاہد، حدیث رفاعہ بھی موجود ہے۔ (سنن الترمذی: حدیث نمبر ۴۰۴)،

نوٹ:

سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”عن عامر بن ربيعة، قال: عطس شاب من الأنصار خلف
رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في الصلاة، فقال: الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، حتى يرضى
ربنا، وبعد ما يرضى من أمر الدنيا والآخرة، فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من القائل
الكلمة، قال: فسكت الشاب، ثم قال: من القائل الكلمة، فإنه لم يقل بأسا، فقال: يا رسول الله، أنا قلتها لم
أرد بها إلا خيرا، قال: ماتنا هت دون عرش الرحمن تبارك وتعالى“۔

حضرت عامر بن ربيعة رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک انصاری نوجوان نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے

نماز کے دوران چھینک لی، تو اُس نے کہا: ”الحمد لله حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ، حتی یرضی ربنا، وبعدهما یرضی من امر الدنیا والآخرۃ“

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہو، پاکیزہ ہو، اور بابرکت ہو، یہاں تک کہ ہمارا رب راضی ہو جائے، اور دنیا و آخرت کے تمام معاملات میں اُس کی رضا کے بعد بھی۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: خوبصورت بات کس نے کہی تھی؟ نو جوان خاموش رہا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ اس نے کوئی بُری بات نہیں کہی، تو اُس نو جوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ الفاظ کہے تھے، اور میرا ان سے صرف خیر کا ارادہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات عرشِ رحمن تبارک و تعالیٰ تک پہنچ گئے۔ (حدیث نمبر ۷۷۴)،

الکامل لابن عدی اور سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ میں اگرچہ ظاہری اختلاف نظر آ رہا ہے، مگر حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ عون المعبود میں، اسی حدیث کے تحت ہے:

أي ماتنا هت تلك الكلمات دون عرشه بل وصلت إليه، قال في المجمع لقد ابتد رها اثنا عشر ملكا فما نهنيها شيء دون العرش أي ما منعها عن الوصول إليه۔

یعنی: ”ماتنا هت دون عرشه“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات عرشِ الہی تک پہنچ گئے، اس سے نیچے کہیں نہیں ر کے اور ”المجمع“ میں ہے: (ان کو کلمات) کو بارہ فرشتوں نے لپک کر لیا، اور ان کو عرش تک پہنچنے سے کوئی چیز نہ روک سکی۔ (ج ۲: ص ۳۳۷)،

یعنی فرشتوں نے ان کلمات کو لیا اور ان کو عرش تک پہنچا دیا، کیونکہ نامہ اعمال فرشتے ہی لے جاتے ہیں۔ لہذا ان دونوں حدیثوں کے متن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

روایت نمبر ”۲“:

حافظ ابن عدی (م ۶۱۵ھ) نے کہا:

حدثنا ابن مسلم عبد الله بن محمد بن مسلم الجوربذي، حدثنا يوسف بن سعيد، حدثنا حجاج بن محمد، حدثنا شريك، عن أبي إسحاق، عن عبد العزيز بن رفيع عن عطاء بن أبي رباح عن رافع بن خديج، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيمار جل زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء وتروى عليه قيمة نفقته۔

قال يوسف بن سعيد: غير حجاج لا يقول عبد العزيز يقول، عن أبي إسحاق عن عطاء۔
 رافع بن خديج رضي الله عنه سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کی زمین میں بغیر ان کی اجازت کے کھیتی کرے، تو اس کھیتی میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے، البتہ اس پر (یعنی زمین کے مالکوں پر) اس (کاشتکار) کے خرچ کی قیمت لوٹانا لازم ہے۔
 اور یوسف بن سعید نے کہا: حجاج کے علاوہ، کسی نے نہیں کہا: کہ ”عبد العزيز يقول، عن أبي إسحاق عن عطاء“۔ (الکامل لابن عدي: ج ۵: ص ۱۹)۔

سند کی تحقیق:

اس سند کے تمام روایات ثقہ یا صدوق ہیں، اور حجاج بن محمد المصيصی (م ۲۰۶ھ) نے کہا: ”کتبت عن شريك نحو ما من خمسين حديثاً، عن سالم قبل القضاء - يعني قبل أن يلي القضاء“۔ (كتاب عل احمد بروایت عبد اللہ: رقم ۳۶۰۰)، لہذا حجاج کا سماع بھی، شريك سے، ان کے قاضی بننے سے پہلے کا ہے، مگر اس حدیث کو شريك (م ۸۷ھ) سے حجاج بن محمد المصيصی (م ۲۰۶ھ) کے علاوہ، امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) اور حافظ یحییٰ بن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ) وغیرہ ایک جماعت نے ”حدثنا شريك، عن أبي إسحاق، عن عطاء بن أبي رباح عن رافع بن خديج“ کی سند نقل کیا ہے۔ (مسند الامام احمد: ج ۲۵: ص ۱۳۸، حدیث نمبر ۱۵۸۲۱، کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم: ص ۹۰، حدیث نمبر ۲۹۴)۔

اور حافظ یحییٰ بن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ) کا سماع بھی، شريك سے، ان کے قاضی بننے سے پہلے کا ہے۔
 (الکتب الطراف: ج ۵: ص ۳۵-۳۶)۔

حکم:

* ”حدثنا شريك، عن أبي إسحاق، عن عطاء بن أبي رباح عن رافع بن خديج“ کے طریق کے بارے میں، امام ابو عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) نے کہا: ”هذا حديث حسن غريب“، امام ابو عبد اللہ البخاری (م ۲۵۶ھ) نے کہا: ”هو حديث حسن“۔ (سنن الترمذی: حدیث نمبر ۱۳۶۶)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے بھی اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔ (شرح الزرکشی علی الخرقی: ج ۲: ص ۱۶۰)، لہذا یہ حدیث صحیح ہے اور عبد العزیز بن رفیع کی زیادتی کی بغیر، یہ طریق اصح ہے، کیونکہ شریک سے ایک جماعت نے یہی نقل کیا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اور بھر شریک (م ۸۷ھ) کے متابع میں صدوق عند المتابعات راوی، قیس بن الربیع الاسدی (م ۱۶۹ھ) اور ثقہ، حافظ ابوالاحوص، سلام بن سلیم الحنفی (م ۹۹ھ) موجود ہیں، چنانچہ ثقہ، حافظ یحییٰ بن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ) نے کہا:

حدثنا قيس، عن أبي إسحاق، عن عطاء، عن رافع بن خديج، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، فله نفقته، وليس له من الزرع شيء۔ (كتاب الخراج لحي بن آدم: ص ۹۰، حدیث نمبر ۲۹۶)،

اسی طرح، مشہور ثقہ، ثبت، حافظ ابوبکر الاسماعیلی (م ۳۷۷ھ) نے کہا:

حدثني علي بن إبراهيم البصري البزاز الجرجاني أبو الحسن، لم يكن من الحديث في شيء أملى علي من حفظه حدثنا هناد بن السري، حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن عطاء، عن رافع بن خديج، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من زرع في أرض قوم فليس له من الزرع شيء وتروى نفقته عليه۔ (المعجم في أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي: ج ۳: ص ۷۵۷، حدیث نمبر ۳۷۷)، لہذا ”عن أبي إسحاق، عن عطاء بن أبي رباح عن رافع بن خديج“ کا طریق ہی رائج ہے۔

نوٹ نمبر ”۱“:

اس حدیث کی سند ”حدثنا شريك، عن أبي إسحاق، عن عطاء بن أبي رباح عن رافع بن خديج“،

متصل ہے، اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات، شیخ، محدث شعیب الارنؤوط (م ۳۶۱ھ) نے دئے ہیں۔ (مسند الامام احمد: ج ۲۵: ص ۱۳۹، ت الانؤوط)،
نوٹ نمبر ”۲“:

اور حجاج بن محمد المصیصی کے طریق، ”حدثنا شريك، عن أبي إسحاق، عن عبد العزيز بن رفيع عن عطاء بن أبي رباح“ میں عبد العزيز بن رفیع کی زیادتی، شریک کی طرف سے نہیں، بلکہ حجاج بن محمد المصیصی (م ۲۰۶ھ) کی طرف سے معلوم ہوتی ہے۔

تاہم ائمہ علل کے منہج کے مطابق، دونوں روایتوں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ ابو اسحاق السبئی (م ۲۸۱ھ) دونوں سے روایت لی ہوگی یا انہوں نے عبد العزيز بن رفیع (م ۳۰۱ھ) سے یہ روایت سن کر، ان سے تدلیس کرتے ہوئے، حضرت، امام عطاء بن ابی رباح (م ۱۷۱ھ) سے ”عن عنہ“ کیا ہو۔
بہر حال دونوں صورت ممکن ہے، مگر کسی وجہ سے بھی، یہاں شریک پر طعن نہیں ہو سکتا اور نا ہی ان کی روایت کو مجروح یا منکر کہا جاسکتا ہے، واللہ اعلم۔

روایت نمبر ”۳“:

حافظ ابن عدی (م ۶۱۵ھ) نے کہا:

حدثنا ابن ناجية هو عبد الله بن محمد بن ناجية بن نجية القطيعي، حدثنا سعيد بن يحيى بن الأزهر الواسطي، حدثنا إسحاق بن يوسف الأزرق، حدثنا شريك، عن هاشم بن عروة، عن أبيه عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سمع القبيح غيره إلى الاسم الحسن قال ومر على قرية تدعى عفرة فسمها خضرة۔

قال الشيخ: وهذا يرويه الطفاوي عن هشام، عن أبيه عن عائشة من رواية عمرو بن عبد الجبار عنه ويرويه عمرو بن علي المقدمي عن هشام، عن أبيه، عن أبي هريرة وجماعة قدره ووه مر سلا لا

یذکرون عائشۃ، ولا أبو ہریرۃ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ناپسندیدہ (برا) نام سنتے تو اسے اچھے نام سے بدل دیتے، اور آپ ایک ایسی بستی پر گزرے جس کا نام عَفْرَہ (گرد آلود، میلی) تھا، تو آپ نے اس کا نام خُصْرَہ (سبز، شاداب) رکھ دیا۔

حافظ ابن عدی (م ۳۶۵ھ) نے آگے کہا: اسے طُفَاوِیُّ روایت کرتے ہیں، ہشام سے، وہ اپنے والد (عروہ) سے، وہ حضرت عائشہ سے۔

اور یہ روایت عمرو بن عبد الجبار نے طفاوی سے نقل کی ہے۔
اسی طرح عمرو بن علی مقدمی نے بھی اسے ہشام، اپنے والد سے ابو ہریرہ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔
اور ایک جماعت نے اسے مرسل (یعنی بغیر صحابی کا ذکر کیے) روایت کیا ہے،
نہ وہ حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ابو ہریرہ کا۔ (الکامل لابن عدی: ج ۵: ص ۳۰)،

سند کی تحقیق:

اس سند کے تمام روایات ثقہ ہیں، اور سند صحیح ہے۔

حکم:

اورائمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حبان (م ۳۵۴ھ) نے اس روایت کو اپنی ”صحیح“ میں ذکر کیا ہے۔ (صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۵۸۲۱)، اس کتاب کے محققین، شیخ الالبانی (م ۲۰۰۴ھ)، شیخ محمد شعیب الانؤوط (م ۱۴۳۶ھ) اور شیخ حسین سلیم اسد الدارانی (م ۱۴۳۳ھ) نے اس روایت کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان: ج ۸: ص ۲۸۲، حدیث نمبر ۵۷۹۱، صحیح ابن حبان: ج ۱۳: ص ۱۳۶، حدیث نمبر ۵۸۲۱، ت الانؤوط، موارد الظمان إلی زوائد ابن حبان: ج ۶: ص ۲۲۶، ت الدارانی)

حافظ نور الدین الہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے کہا: ”وَرَجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ“۔ (مجمع الزوائد: ج ۸: ص

۵۱، حدیث نمبر ۱۲۸۶۳)، حافظ ابوالعباس البوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (اتحاف الخیرة المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ج ۶: ص ۱۳۴)،
لہذا یہ حدیث صحیح ہے۔

شریکؒ (م ۸۷۸ھ) کے علاوہ، ثقہ، ثبت، حافظ عبدہ بن سلیمان الکلابیؒ (م ۸۷۸ھ)، صدوق، حسن الحدیث راوی، محمد بن عبد الرحمن الطفاویؒ (م ۸۷۸ھ)، ثقہ، حافظ، عمر بن علی المقدمیؒ (م ۹۰۰ھ)، ثقہ راوی، محمد بن الحسن بن عمران المزنی الواسطیؒ (م ۹۹۹ھ)، وغیرہ حضرات نے اس روایت کو ”عن هشام عن أبيه عن عائشة“ کی طریق سے نقل کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے کہا:

أخبرنا الحسن بن سفيان، قال: حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، قال: حدثنا عبد الله بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم، مر بأرض تسمى غدره، فسمها خضرة۔ (صحیح ابن حبان: ج ۱۳: ص ۱۳۶، حدیث نمبر ۵۸۲۱، ت الانؤوط)،
اسی طرح، حافظ ابوالقاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے کہا:

”حدثنا إبراهيم قال: نا الصلت بن مسعود الجحدري قال: نا محمد بن الحسن، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سمع اسما قبيحا غيره“۔
اور امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے کہا:

”حدثنا أبو بكر بن نافع البصري قال: حدثنا عمر بن علي المقدمي، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يغير الاسم القبيح۔

قال أبو بكر: وربما قال عمر بن علي، في هذا الحديث: هشام بن عروة، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، مر سلا ولم يذكر فيه عن عائشة“۔ (سنن الترمذی: ج ۵: ص ۱۳۵، حدیث نمبر ۲۸۳۹)،
محمد بن عبد الرحمن الطفاویؒ (م ۸۷۸ھ) کی روایت کا ذکر، حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کیا، جس کی تفصیل گزر چکی۔

لہذا معلوم ہوا کہ ”۴، ۴“ راویوں نے شریکؒ (م ۸۷ھ) کی متابعت کی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ شیخ، محدث ابو حذیفہ، نبیل بن منصور الکوفی حفظہ اللہ نے ”والأول أصح“ کہہ کر، ”عن هشام عن أبيه عن عائشة“ کی سند کو رائج قرار دیا ہے۔ (أنیس الساری فی تخریج وتحقیق الأحادیث التي ذكرها الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري: ج ۶: ص ۴۱۳۸)، الغرض شریکؒ کی روایت کو وہم یا منکر کہنا مرجوح ہے۔

روایت نمبر ”۴“:

حافظ ابن عدیؒ (م ۶۱۵ھ) نے کہا:

حدثنا أحمد بن حفص السعدي قال قرأت على أحمد بن حنبل حدثكم إسحاق الأزرق، حدثنا شريك، عن بيان عن قيس عن المغيرة بن شعبة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أبر دو بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم. قال الشيخ: وهذا إنما كان يعرف بإسحاق الأزرق عن شريك وحدث به عن إسحاق من الثقات يحيى بن معين أيضا وتميم بن المنتصر۔

فأما حديث يحيى فحدثناه محمد بن إبراهيم الطيالسي عنه،

وأما حديث تميم فحدثناه الخليل بن بنت تميم بن المنتصر بواسط، حدثنا جدي تميم بذلك وقد سرق هذا الحديث من هؤلاء الثقات قوم ضعفاء فحدثوا به عن إسحاق الأزرق۔

سمعت عبد الملك بن محمد يقول، حدثنا محمد بن سليمان بن بنت مطر الوراق عن إسحاق الأزرق وهذا بن بنت مطر ضعيف وقد سرقه غيره من الضعفاء فحدث به عن إسحاق الأزرق ووافق عبد الرحمن بن شريك، عن أبيه إسحاق الأزرق۔

حدثنا عبد الرزاق بن محمد بن حمزة، حدثنا أحمد بن يوسف السلمي، حدثنا عبد الرحمن بن

شریک، عن أبيه بذلك۔

ورواه القاسم بن أبي شيبه عن يعقوب بن إبراهيم بن سعد عن شريك وأبطل القاسم في ذلك وليس الحديث عند يعقوب بن إبراهيم والقاسم ضعيف حدثناه أبو يعلى عن القاسم۔

وقد روى عن إسماعيل بن مجالد [عن أبيه] عن بيان في كتابي بخطي عن عبد الله بن إسحاق المدائني عن عمر بن إسماعيل بن مجالد، عن أبيه۔ (الکامل لابن عدی: ج ۵: ص ۳۱)،

حافظ ابن عدی (م ۳۶۵ھ) کے کلام میں موجود ہے کہ شریک نے یہ روایت ’عن بیان عن قیس عن المغيرة بن شعبه‘ کے طریق سے روایت کیا ہے اور ان کے متابع میں، صدوق عند المتابعات راوی، اسماعیل بن مجالد بن سعید (م قبل ۱۹۰ھ) موجود ہیں، جیسا کہ ابن عدی کے ہی کلام میں ہے، نیز حافظ اسحاق الازرق (م ۱۹۵ھ) بھی شریک سے یہ روایت نقل کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ صدوق راوی، عبد الرحمن بن شریک (م ۲۲۷ھ) ان کے متابع میں موجود ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابو عبد اللہ البخاری (م ۲۵۶ھ) نے شریک (م ۲۸۸ھ) کی اس روایت کو محفوظ قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ۱: ص ۶۲۵، حدیث نمبر ۲۰۶۸)،
لہذا یہ بھی منکر نہیں۔

خلاصہ:

یہ ”۴“ احادیث، الکامل لابن عدی میں ملی، جو شریک سے، قدماء حضرات سے مروی ہے، مگر ان میں کوئی روایت بھی منکر نہیں ہے، لہذا شیخ عبد الرحمن الزاوی کا الکامل لابن عدی کا حوالہ دینا فضول اور بیکار ہے۔

نیز زیر بحث روایت کے بارے میں بھی، شیخ عبد الرحمن الزاوی نے کہا کہ کئی ائمہ نے اس روایت کو منکر کہا ہے، مگر درست بات یہ ہے کہ ان ائمہ نے اس روایت میں شریک کے تفرد ہونے کی بات کہی ہے، صرف امام ابو الحسن الدارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے شریک کو ضعیف کہا ہے، نہ کہ روایت کو منکر۔

لہذا ان ائمہ کے حوالے سے، روایت کو منکر کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

- اور دلائل کی روشنی میں یہ بات گزر چکی ہے کہ چونکہ شریک^(م ۸۷ھ) ثقہ ہیں، اور ثقہ کا تفرد، یہاں موجب ضعف نہیں، نیز یہاں ان کے قوی مطالب بھی موجود ہیں، جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے شمارے میں آئے گی۔
لہذا شیخ کا، شریک کی روایت کو منکر کہنا بھی مرجوح ہے۔

- جہاں تک بات ہے، حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تو اس سلسلے میں بھی عرض ہے کہ اس قول میں صراحت ہے کہ ”ولا سيما بعد أن ولي القضاء“ وہ کوفہ کے قاضی تھے، اور کثرت سے وہم میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے، خصوصاً اس وقت کے بعد جب انہیں منصب قضاء سونپا گیا۔ (شرح علل الترمذی: ج ۱: ص ۴۰۵)،

دوسری طرف، خود ابن رجب^(م ۹۵ھ) ہی نے، اسی کتاب کے ایک باب ”ومن هذا النوع أيضا قوم ثقات لهم كتاب صحيح وفي حفظهم بعض شيء فكانوا يحدثون من حفظهم أحيانا فيغلطون، و يحدثون أحيانا من كتابهم فيضبطون، کہ اسی قسم میں کچھ ایسے لوگ شامل ہیں جو ثقہ ہیں اور جن کے کتاب صحیح ہے، لیکن ان کے حافظے میں کچھ کمزوری ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کبھی اپنے حافظے سے حدیث بیان کرتے ہیں تو غلطی کر جاتے ہیں، اور پھر جب اپنی کتاب سے روایت کرتے ہیں تو ضابطہ ہوتے ہیں“ میں کہا:

ومنهم شريك بن عبد الله النخعي، قاضي الكوفة. قال يعقوب بن شيبة وغيره: كتبه صحاح،
(و حفظه فيه اضطرب وقال محمد بن عمار الموصلي الحافظ: شريك كتبه صحاح)۔

انہی [قوم ثقات لهم كتاب صحيح وفي حفظهم بعض شيء] میں شریک بن عبد اللہ النخعی بھی ہیں، جو کوفہ کے قاضی تھے، یعقوب بن شیبہ اور دوسرے ناقدین کا کہنا ہے کہ ان کی کتابیں بالکل درست تھیں، البتہ ان کے حافظے میں کچھ اضطراب ہے اور حافظ محمد بن عمار موصلی نے بھی کہا ہے کہ شریک کی کتابیں صحیح ہیں۔ (شرح علل الترمذی: ج ۲: ص ۷۵۹، تہام)،

اور ان دونوں عبارات کی روشنی میں، دیگر ائمہ کے کلام کے بیش نظر، اسی کتاب کے محقق دکتور ہمام بن سعید حفظہ اللہ نے کہا:

”و حديث شريك قبل القضاء الغالب عليه القبول وأما بعد القضاء فالغالب عليه الرد“۔

شریک کی حدیث، ان کے قاضی بننے سے پہلے عموماً مقبول ہیں، جبکہ قاضی بننے کے بعد ان کی روایت، زیادہ تر، مردود ہے۔ (شرح علل الترمذی: ج ۱: ص ۱۱۷، تہام)،

لہذا ابن رجبؒ (م ۹۵۰ھ) بھی، شریکؒ (م ۸۷۸ھ) کی مطلق تضعیف کے قائل نہیں، لہذا ان کے قول سے، شیخ زاویؒ کا استدلال مرجوح ہے۔

- نیز صحیح قول میں امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے ان سے احتجاج کیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (ص ۶)،

خلاصہ:

شریک بن عبداللہ النخعیؒ (م ۸۷۸ھ) کی زیر بحث روایت پر کوئی اعتراض بھی مقبول نہیں اور صحیح و رائج یہی ہے کہ ان کی یہ روایت مقبول و حجت ہیں، واللہ اعلم۔

[جاری ہے۔۔۔۔۔]

ائمہ محدثین و ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک،

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا ”حافظ“ جید اور مضبوط تھا۔ [قسط ۲]

— مولانا نذیر الدین قاسمی حفظہ اللہ

ائمہ محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک، ثقہ، مثبت، حافظ الحدیث، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا ”حافظ“ جید اور مضبوط تھا، چنانچہ اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) امام الجرح والتعدیل، امام تحبی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، سے سوال کیا گیا کہ ”وہو یسأل عن أبي حنيفة: أئفقه هو في الحديث؟ فقال: نعم ثقة ثقة، كان والله أروع من أن يكذب وهو أجل قدرًا من ذلك، وسئل عن أبي يوسف فقال: هو صدوق ثقة“، کیا امام صاحب، حدیث میں ثقہ ہیں؟
تو ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے کہا: جی ہاں، بالکل وہ ثقہ ہیں، وہ ثقہ ہیں! اللہ کی قسم، وہ اتنے زیادہ پرہیزگار تھے کہ جھوٹ بولنا تو بہت دور کی بات ہے، اور وہ اس (جھوٹ بولنے) سے کہیں بلند مرتبہ رکھتے تھے، جب ان سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ بھی ثقہ، صدوق ہیں۔ (مسند الامام ابی حنیفہ لابن خسر: ج ۱: ص ۱۵۰، اکمال تہذیب الکمال: ج ۱۲: ص ۵۶)، [۱]

اور کسی راوی کو ”ثقة ثقة“ کہنا، اس کے قوی الضبط ہونے کی دلیل ہے۔ (نزہۃ النظر: ص ۱۷۱)،

— الحسین بن حبان کی روایت میں، ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کہتے ہیں کہ

[۱] اس سند میں ضعف ہے، مگر مابعد کی روایت میں انہوں نے ”وہو ثقة، لا بأس به“ کہا، جس سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو کہ ”ثقة ثقة“ کے معنی میں ہے، کیونکہ ابن معینؒ کے نزدیک ”ثقة“ اور ”لا بأس به“ کا معنی ایک ہے۔ (تحریر تقریب: ج ۱: ص ۴۱)

”روی عن ابی حنیفۃ سفیان الثوری، و عبد اللہ بن المبارک، و حماد بن زید، و ہشیم، و وکیع، و عباد بن العوام، و جعفر بن عون، و ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید المقرئ، و جماعة کثیرة، و هو ثقة لا بأس به“، امام ابو حنیفہؒ سے سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ، حماد بن زیدؒ، ہشیمؒ، وکیعؒ، عباد بن العوامؒ، جعفر بن عونؒ، ابو عبد الرحمن المقرئؒ وغیرہ کثیر جماعت نے حدیث بیان کی ہے، آپؒ ثقہ ہیں، آپؒ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (الاتصار والترجیح لسط ابن الجوزی: ص ۶، وسند حسن، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۳: ص ۲۷۸)، ان اقوال سے معلوم ہوا کہ امام الجرح والتعدیل، امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کے نزدیک، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، ثقہ، قوی الضبط ہیں۔

(۲) ثقہ، حافظ حفص بن غیاثؒ (م ۱۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ

”سمعت من ابی حنیفۃ کتبہ و آثارہ فمارایت اذکی قلباً منہ ولا اعلم بما یفسد و یصح فی باب الاحکام منہ“۔

میں نے (امام) ابو حنیفہؒ سے آپؒ کی کتابیں اور حدیثیں سنیں، پس میں نے آپؒ سے زیادہ ذکی القلب، اور باب احکام میں صحیح اور غیر صحیح کا آپؒ سے زیادہ جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (کشف الآثار الشریفة: ج ۱: ص ۲۰۷، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۲۱: ص ۴۹)،

سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ذہانت کا تعلق، ضبط حدیث سے ہے، واللہ اعلم

(۳) تارخ بغداد میں امام سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸ھ) کا قول ہے کہ

”ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ“۔

امام سفیان بن عیینہؒ (جنہوں نے امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کو دیکھا ہے، لیکن وہ) کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) جیسا نہیں دیکھا۔ (تارخ بغداد:

ج ۱۵: ص ۵۹، تحقیق بشار العواد معروف، مسند امام اعظم بروایت ابن خسر: ج ۱: ص ۱۶۳، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۴: ص ۶۲،

نوٹ:

”مارأیت مثل“ کے الفاظ، راوی کے اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور ضابط ہونے پر دال ہے۔ (فتح المغیث: ج ۲: ص ۱۱۴)،

(۴) ثقہ، ثبت، عابد، متقن، حافظ الحدیث، امام یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶ھ) کہتے ہیں کہ ”کان أبو حنیفۃ تقیاً نقیاً زاهدا عالماً صدوق اللسان حفظ اهل زمانه سمعت کل من أدر کته من أهل زمانه یقول إنه مارأی أفقه منه“۔

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) پر ہیزگار شخص تھے، پاکیزہ شخصیت کے مالک تھے، بہت بڑے زاہد اور عالم تھے، صدوق تھے، اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ حافظہ والے تھے، میں نے ان کے زمانہ کے ہر اس آدمی جس کو میں نے پایا کہتے ہوئے سنا کہ: ہم نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ص ۴۸، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۲۳: ص ۲۸-۲۹)،

ثابت ہوا کہ امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ)، اپنے زمانے کے سب سے زیادہ حافظہ والے تھے۔

(۵) ثقہ، حجت، حافظ، امام ابو عبد الرحمن، عبد اللہ بن یزید المقرئؒ (م ۲۱۳ھ)، ”وکان إذا حدثنا عن أبي حنیفۃ- قال: حدثنا شاهنشاه“، جب بھی امام ابو حنیفہؒ سے حدیث بیان کرتے، تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے۔ (تاریخ بغداد: ج ۱۳: ص ۳۴۴، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۴: ص ۲۱، ش ۲۳: ص ۳۰)،

یعنی امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) ”شاهنشاه الحدیث“ ہیں، جو کہ ”امام فی الحدیث“ کے ہم معنی میں ہونے کے وجہ سے، اعلیٰ درجہ کی توثیق ہوگی، جو کہ راوی کے ضبط پر دال ہے۔ (لسان المحدثین للشیخ محمد خلف: ج ۲: ص ۱۵۰)

(۶) مشہور ثقہ، مامون، حافظ، حجت، امام عبداللہ بن داود الخریزیؒ (م ۲۱۳ھ) نے کہا:

”يجب على أهل الإسلام أن يدعوا الله لأبي حنيفة في صلاتهم قال: وذكر حفظه عليهم السنن والفقه“، اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے لئے دعا کریں۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے حدیث اور فقہ، امت کے لئے محفوظ کی ہے۔ (تاریخ بغداد: ج ۱۳: ص ۳۴۴، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۱۹: ص ۴۰)۔

اس روایت کا اشارۃ النص، اس پر دال ہے امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) قوی الضبط تھے، کیونکہ امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) کے یہاں حدیث کی حفاظت واس کے بیان کے لئے شرط تھی کہ راوی کو وہ حدیث، سماع کے وقت سے لے کر، بیان کرنے کے وقت، اچھی طرح یاد ہو۔ (مکانة الإمام أبي حنيفة في الحديث: ص ۱۲۷)۔

(۷) غالباً یہی وجہ ہے کہ مشہور حافظ الحدیث، حجت، امام وکیع بن الجراحؒ (م ۱۹۷ھ) نے بھی کہا:

”لقد وجد الورع عن أبي حنيفة في الحديث ما لم يوجد عن غيره“۔

امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے حدیث میں وہ تقویٰ اور احتیاط پائی گئی، جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائی گئی۔ (مناقب ابی حنیفۃ للممکی: ص ۱۷۲، طبع بیروت، نیز دیکھئے مجلہ الامام: ش ۲۰: ص ۳۱) لہذا ثابت ہوا کہ امام عبداللہ بن داود الخریزیؒ (م ۲۱۳ھ) اور امام وکیعؒ (م ۱۹۷ھ) کے نزدیک بھی، امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) قوی الضبط اور جید حافظ والے ہیں، واللہ اعلم۔

[جاری ہے۔۔۔۔۔]

